MESSENGER
پیغامبر

۱۸ ستمبر ۱۹۸۶ء

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

کون جانے انتخابات کا اعلان کب ہو جائے؟

دریا کے آگے بند باندھ دیا جائے تو وہ اطراف میں بہنے لگتا ہے

الیاس شاکر

[illegible]

احمد کمال

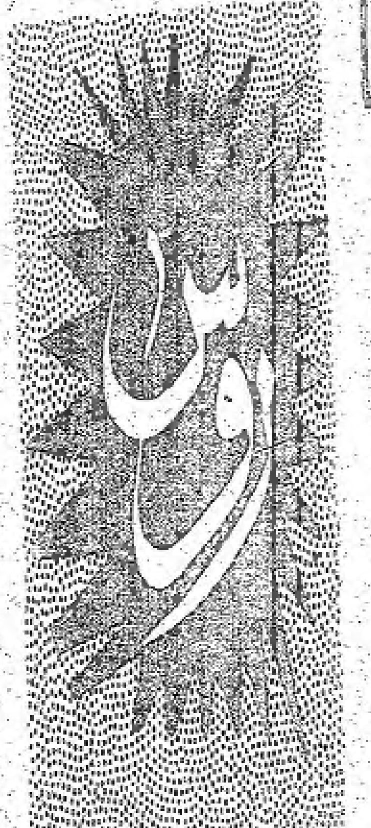

پاکستان کو جنگ کی طرف گھسیٹ رہا ہے

[illegible]

بقیہ: روس

افغانستان کے ساتھ کسی جنگ میں الجھنے سے بچائے آج صورتحال وہ نہیں ہے۔ جب قائد اعظم نے افغانستان کی ایسی شرارتوں کے جواب میں اپنی فضائیہ کو حکم دے دیا تھا کہ۔ ———— "GO!

AND MAKE THEM UNDERSTAND IN THE LANGUAGE OF MACHINE-GUNS."

اور قائد کے حکم پر پاک فضائیہ کے صرف دو طیاروں نے افغان فوج کا جو حشر کیا تھا وہ افغان کو برسہا برس نہیں بھولا تھا لیکن اب مقابلہ افغانستان سے نہیں بلکہ روس سے ہے اور ہمیں جذباتیت سے ہٹ کر نہایت ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ انکی سازشوں کا تدارک کرنے کی ضرورت ہے۔ افغانستان کے حملے جس قدر بڑھتے گئے اس کا جواب جنگ نہیں ہے مگر افغانوں کو اور بلکہ روسیوں کو یہ باور کرانا بھی ضروری ہے کہ پاکستان کوئی تر نوالہ نہیں ہے۔ پاکستان شمال مغربی سرحدوں پر بہت زیادہ افواج کا اجتماع بھی نہیں کر سکتا اور بھارت کے ساتھ ملنے والی سرحدوں کو خالی بھی نہیں چھوڑا جا سکتا پھر پاکستان کے وسائل بھی اسے روس سے لڑنے کا اہل ثابت نہیں کرتے اس لئے اس رتت جنگ سے جو بظاہر ناگزیر نظر آتی ہے پاکستان کو بچنا از حد ضروری ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ پاکستان اول تو افغان مہاجرین کی اس قدر طویل مہمان نوازی سے اب جان چھڑا کر سنجیدہ کوششوں کا آغاز کرے اور افغان مہاجرین و کارکن تنظیموں کے درمیان ظاہری جھگڑے میں اپنا سابقہ کردار اور پالیسی تبدیل کرے۔ اب "افغان مجاہدین" کے حامی کی حیثیت سے نہیں پاکستان کو ان دونوں فریقین کے درمیان ایک ثالث کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے۔ جہاں تک جنیوا مذاکرات کا تعلق ہے اس سے کوئی مثبت نتائج برآمد نہیں ہو سکتے خود سٹر کارڈو ویز اب ان مذاکرات سے مایوس نظر آتے ہیں اور گزشتہ دنوں انہوں نے بھی صاف کہہ دیا ہے کہ "وقت بہت تیزی سے گذر رہا ہے اور مذاکرات کا عمل نہایت سست ہے۔" روسی ان مذاکرات کو نتیجہ خیز ثابت نہیں ہونے دیں گے۔ اگر جنگ سے بچنا ہے تو پاکستان کو اب اپنی سابقہ اور تا حال برقرار جاری پالیسی پر نظر ثانی کرنا ہی ہوگی۔ پاکستان بھارت سے تو لڑ سکتا ہے افغانستان سے بھی لڑ سکتا ہے لیکن روس سے نہیں اور اگر افغانستان میں جنگ ہوئی تو وہ افغانستان کے ساتھ نہیں روس کے ساتھ ہوگی۔ جس کے روسی تمنائی نظر آتے ہیں اور اس لئے پاکستان کو مشتعل کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔

حکومت پاکستان کو ان واقعات کے مضمرات اور نتائج سے پوری دنیا کو نہایت شدو مد کے ساتھ آگاہ کرنا چاہیئے اور مغربی یورپ کو یہ احساس دلایا جائے کہ پاکستان پر جارحیت کا نتیجہ تیسری عالمگیر جنگ کی صورت میں بھی نمودار ہو سکتا ہے۔ اگر بھارت ایسی کسی صورتحال سے دوچار ہوتا تو اس نے دنیا کو سر پر اٹھا لیا ہوتا۔ اسی چیز کی ضرورت آج پاکستان کو بھی ہے کہ پروپیگنڈے کے محاذ پر پوری شدت کے ساتھ ان اشتعال انگیز کارروائیوں کو عالمی رائے عامہ کے سامنے رکھے اور کسی صورت بھی عالمی دباؤ سے مسئلہ افغانستان کے سلسلے میں روس پر یہ ہے اسے ڈھیلا نہ پڑنے دے کیونکہ روس حالات بظاہر یہ نظر آتے ہیں کہ پاکستان کے یورپی حلیف امریکی انتخابات کے نتائج آنے تک شدت سے منتظر ہوں گے اور اپنی پالیسیوں میں مناسب ردو بدل انتخابات کے نتائج سامنے آنے پر ہی کریں گے۔ یہی حال عالم اسلام میں پاکستان کے دوست ممالک کا ہوگا۔ چنانچہ اس وقت ضروری ہے کہ پاکستان بیرونی ممالک میں اپنی لابی کو بھی متحرک رکھے اور زیادہ بہتر ہوگا کہ افغانستان کی ان جابرانہ "دراندازیوں" کو فوری طور پر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں لے جائے تاکہ دنیا کی توجہ اس جانب مبذول رہے۔ جہاں تک جنیوا مذاکرات کا تعلق ہے ان کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ پاکستان اگر اپنی خارجہ حکمت عملی میں مناسب اور موزوں تبدیلیاں کر کے مہاجرین کے مسئلے سے نجات کا عمل شروع کر دیتا ہے تو اس جنگ کا خطرہ کسی حد تک ٹل سکتا ہے جو بظاہر اب پاکستان کے لئے ناگزیر نظر آ رہی ہے ویسے بھی پاکستان کے مختلف شہروں میں اب مجاہدین نما مہاجرین نے جو اودھم مچا رکھا ہے اس سے عام پاکستانیوں میں شدید بے چینی اور نفرت پیدا ہو رہی ہے۔

ٹورانٹو میں ختم قرآن کی شاندار محفل

رپورٹ ———— محمد یوسف

مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۸۴ء بروز ہفتہ جونکورن ہال بمقام برامپٹن ٹورانٹو بوقت شام ۶ بجے برخوردار محمد عمر صوبیدار صاحبزادے مصطفےٰ صوبیدار کے ختم القرآن کی تقریب میں کافی تعداد میں بارونق مجمع تھا۔ اس تقریب میں شرکت کیلئے۔ دوست عزیز و اقارب ٹورانٹو کے علاوہ بیرونی مقامات سے بھی لوگ تشریف لائے تھے۔ اور مہمانوں کی تعداد کوئی دو ڈھائی سو تھی۔

تقریب سے پہلے مسٹر محمد یوسف (ریٹائرڈ پوسٹل سپرنٹنڈنٹ مشرقی افریقہ) نے اپنے داماد مصطفےٰ اور بیٹی اختری اور تمام اہل خاندان کی جانب سے مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ اور سب کی شرکت کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

بھائی انور معلم جو کہ حافظ قرآن ہیں۔ قرآن کی قرات شروع کی۔ اور ختم کے فوراً ہی بعد محمد عمر صوبیدار نے قرآن شریف کی چند آیات پڑھ کر حاضرین کو سنائیں۔ مہمانوں کو اس ۷ سال کی عمر میں ختم القرآن کے اعزاز سے سرفراز ہونے۔ عمر کو بڑی ہمت افزائی کی۔

اس کے بعد مولانا محمد یوسف نے اسلام اور القرآن کے فضیلت پر ایک شاندار تقریر کی۔ جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے مولانا یوسف صاحب کا ذاتی شکریہ ادا کیا۔

بعد ازیں مہمانوں کی خاطر پر تکلف کھانے مشروبات۔ چائے۔ مٹھائی وغیرہ سے کی گئی۔ کچن کے سارے انتظامات۔ زہرہ رشید علی زہرہ اسمعیل صوبیدار کے سپرد تھیں۔ رشید علی اور اسمعیل۔ مصطفےٰ کے سگے بھائی ہیں۔ ابراہیم صوبیدار۔ بیگم ابراہیم۔ زہرہ جمال اور کھانے کے ٹیبل پر مصروف تھے۔ ابراہیم بھی مصطفےٰ کے بڑے بھائی ہیں۔ ان سب نے اپنا اپنا کام ایسے سر انجام دیا۔ کہ داد کے مستحق ہیں۔ بہت اعلےٰ انتظام تھا۔ پوری تقریب پر وڈیو پر منظر کشی بھی کی گئی تھی۔

کہتے ہیں۔ کہ ٹورانٹو میں ختم القرآن کی ایسی شاندار تقریب پہلے کبھی نہیں ہوئی ہے۔

—-000—-

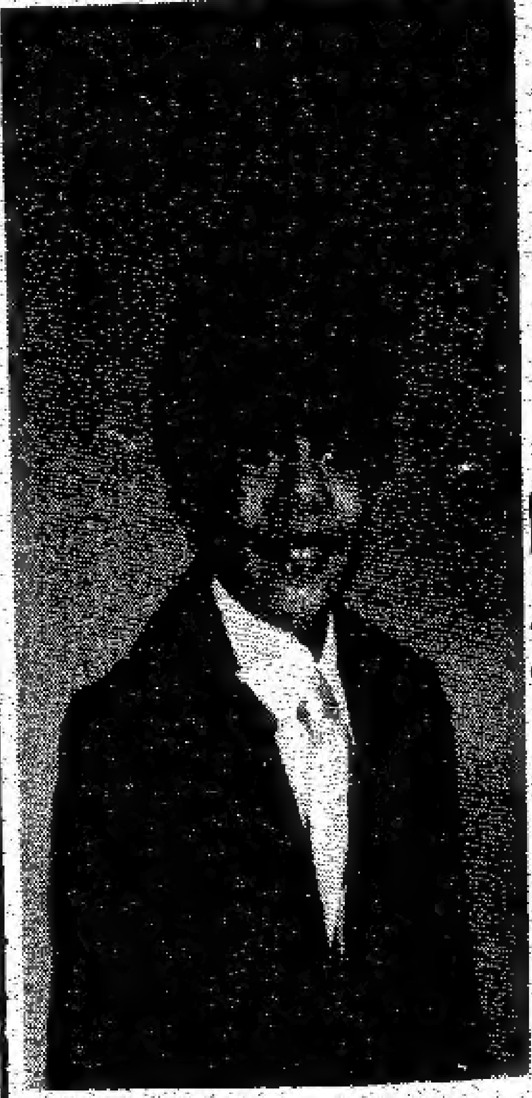

محمد عمر صوبیدار

غزل

یہ اک خیال مجھے عمر بھر نہیں آیا
کہ تو گیا تھا مگر لوٹ کر نہیں آیا

ترے بغیر سفر طے تو کر لیا میں نے
تمام راہ میں کوئی شجر نہیں آیا

کئی رتوں سے اگا ہی نہیں شجر کوئی
اگر اگا ہے تو اس پر ثمر نہیں آیا

لہو کی ایک لکیر آئی تھی مری جانب
لگا تھا تیر جسے وہ ادھر نہیں آیا

عمل کا اجر کسی شخص کو نہیں معلوم
کہ رفتگاں کو کوئی دیکھ کر نہیں آیا

آپ کے رب نے یہ قطعی اور آخری فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے بغیر کسی کی عبادت نہ کی جائے اور اس کے بعد ماں باپ پر احسان کیا جائے

ہ

والدین کے سامنے کلمہ اف بھی نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو، ان سے ادب سے بات کرو۔ ان کے سامنے اپنے رحمت و شفقت کے بازوؤں کو پست کر دو۔
(قرآن حکیم)

آپ کی کینیڈین آرمڈ فورسیز

کینیڈا کبھی بھی ایک جنگجو قوم نہیں رہی ہے۔

اب بھی ضرورت پڑنے پر، مرد اور عورتیں رضاکارانہ طور پر بے غرضی سے ڈیوٹی کی انجام دہی کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ آج کے آرمڈ فورسیز میں ماضی کے تجربات اور طور طریقوں کو ہی استعمال میں لایا جاتا ہے تاکہ مستقبل کے مطالبات کے چیلنج کا مقابلہ کیا جا سکے۔

دی کینیڈین آرمڈ فورسیز، کینیڈین سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے NORAD کے ذریعہ شمالی امریکہ کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ NATO کے وعدوں اور عالمی امن کو قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے۔

ان خالص ملٹری رول کے ساتھ ساتھ کینیڈین افواج ناگہانی آفت کے وقت مددگار ثابت ہوتی ہے۔ خواہ یہ سیلاب ہو یا آتشزدگی یا تیل کی آلودگی یا تلاش اور کسی کی جان بچانا۔ ہم سڑکوں اور پلوں کی دیکھ بھال اور حفاظت بھی کرتے ہیں۔ ہم مسلسل کینیڈا کی ترقیاتی کاموں میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہم ۶۰ سے زیادہ ٹریڈ میں ٹریننگ مہیا کرتے ہیں اور ۲۰ سے زیادہ دیگر اقسام میں۔ ان ورکن کے معیار بھی اور یونیورسٹی کی تعلیم بھی مہیا کی جاتی ہے۔ مزید معلومات کیلئے اپنے قریبی ریکروٹنگ سنٹر سے رجوع کریں یا کلکٹ کال کریں۔ ہم یلو پیج میں ریکروٹنگ کے تحت درج ہیں۔

THE CANADIAN ARMED FORCES
LES FORCES ARMÉES CANADIENNES

Canada

پیغامبر
The Messenger
FORTNIGHTLY INDO-PAK NEWSPAPER
جہاں نمی میری فطرت ہے لیکن ہا کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

غیر متبدل اصولی موقف

صدر ضیاء الحق نے پاکستان کے سرحدی دیہات پر افغان فضائیہ کے تازہ حملوں کے حوالے سے کہا ہے کہ سرحدوں پر طاقت کا مظاہرہ کرکے، پاکستان کو افغانستان کے مسئلے پر اپنے اصولی موقف کے بارے میں کسی قسم کی سودے بازی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس قسم کے حربوں سے مرعوب ہو کر پاکستان مسئلہ افغانستان کے بارے میں اپنے اصولی موقف سے ہٹ جائے گا تو یہ اس کی بھول ہے۔ صدر مملکت جو بہ آباد میں بین الاقوامی امور کے ادارے کے زیر اہتمام ایک تقریب سے خطاب کر رہے تھے انہوں نے صحیح کہا کہ جب بھی مذاکرات کا نیا دور شروع ہونے کا وقت نزدیک آتا ہے، اس نوع کے منفی حربے آزمائے جانے لگتے ہیں، پاکستان کے موقف کی صحت اور اصابت کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، اقوام عالم کی غالب اکثریت اور پوری اسلامی امہ اس کی موئید اور حامی ہے، اقوام متحدہ، افغانستان کے مسئلے کو اسی منصفانہ موقف کی اساس پر، پُرامن ذرائع سے حل کرانے کے لئے کوشاں ہے، چنانچہ اسی کے اہتمام میں جنیوا مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا ہے، لیکن جب بھی مذاکرات کا نیا دور شروع ہونے والا ہوتا ہے افغان انتظامیہ، پاکستان پر دباؤ ڈالنے کے لئے منفی حربوں کا سہارا لینے لگتی ہے، اصلاً یہ بزدلانہ کارروائی ہے، پاکستان نہ اس سے پہلے مرعوب ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا، وہ اصولوں پر سودے بازی کا قائل اور روادار نہیں، دھونس اور دھاندلی پر مدار رکھنے والے اس حقیقت کا اعتراف کر لیں تو بے شمار پیچیدگیوں سے بچا جا سکتا ہے، صدر مملکت نے کہا ہے کہ پاکستان دوسرے ملکوں کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت، تمام ممالک خصوصاً ہمسایوں کے ساتھ بہتر تعلقات، چین سے خصوصی دوستی اور غیر جانبداری کے اصولوں کو قربان کئے بغیر دونوں بڑی طاقتوں (امریکہ اور روس) سے اچھے روابط کے اصولوں پر کاربند ہے، اس کی خارجہ پالیسی کے یہی چار بنیادی ستون ہیں، ان سے وابستگی کی بنا پر ہی وہ مسئلہ افغانستان کے پُرامن تصفیے کا خواہشمند ہے، پاکستان کابل انتظامیہ کو تسلیم نہیں کرتا، اس ضمن میں اس کا موقف واضح اور غیر مبہم ہے لیکن مسئلہ افغانستان کے پُرامن اور منصفانہ سیاسی حل کے لئے، اس نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے توسط سے جنیوا مذاکرات میں شرکت بطیب خاطر منظور کر لی ہے اس کی دلی خواہش ہے کہ یہ مذاکرات نتیجہ خیز ہوں، مگر اس ضمن میں کابل انتظامیہ کا جو رویہ ہے اس کا اندازہ پارا چنار کے علاقے میں افغان فضائیہ کی بمباری کے واقعات سے کیا جا سکتا ہے، لیکن جیسا کہ صدر مملکت نے کہا ہے کہ پاکستان کو مرعوب کرنے کے یہ حربے کارگر نہیں ہو سکتے، افغانستان یہ حقیقت باور کر لے تو صحیح جہت میں پیش رفت میں مدد مل سکتی ہے، صدر نے روس کے تعلق میں کہا ہے کہ پاکستان کا اس کے ساتھ کوئی باہمی تنازعہ نہیں بلکہ اس نے کراچی میں سٹیل مل لگانے میں جو مدد کی ہے، اس پر اس کا شکر گزار ہے۔ لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ پاکستان مسئلہ افغانستان کے بارے میں اپنا اصولی موقف چھوڑ دے گا، وہ اس مسئلے کے آبرومندانہ سیاسی تصفیے کا خواہاں ہے۔

سچی باتیں

(از مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم)

فتح پور (یوپی) کے مولوی حاجی حکیم ظہور الاسلام کو گزرے ہوئے کچھ ایسا زمانہ نہیں ہوا ابھی معروح کے بیسیوں دیکھنے والے موجود ہوں گے ندوہ کے اجلاس کے موقع پر ان سطور کے راقم کو بھی ایک دو بار ان کی زیارت نصیب ہوئی تھی بڑے صاحب علم ہونے کے ساتھ بڑے صاحب دل بھی تھے اور تقویٰ اور خوف خدا کے ایک پیکر مجسم شہر میں ایک بار ہیضہ پھیلا اور لوگ چٹ پٹ ہونا شروع ہو گئے مدرسہ کے متعلق ایک دار الاقامہ بھی تھا اس کا ایک غریب پردیسی لڑکا، دور دراز جنگال کے دیس کا رہنے والا بھی مبتلا ہوا اور مولانا کو اس کی خبر ہوئی بے قرار ہو گئے اسپتال بھجوانے کے بجائے خود جا مریض کو چٹ اپنے گھر اٹھا لائے! ہیضہ کا مریض اور وہ بھی کوئی اپنا عزیز نہیں اسے اپنے گھر اٹھا لانا کوئی معمولی بات تھی! موت و ہلاکت کو اپنے ہاں دعوت دینا تھی! اور اب خدمت و تیمارداری مولانا نے خود شروع کی ہیضہ کے مریض کی جو گندی حالتیں ہو سکتی ہیں ان سب کو تصور میں لے آیئے اور پھر یہ سوچئے کہ مولانا خود اپنے ہاتھ سے اسے دھلا رہے ہیں اور ایک ایک خدمت اس کی کرتے چلے جاتے ہیں اگھر والے ایسے موقع پر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اچھے اچھے دوست منہ چرا جاتے ہیں یہ مولانا کیا بشر نہ تھے کوئی فرشتہ تھے؟

مریض کی حالت گرتی گئی بگڑتی گئی ادھر مولانا کی گریہ وزاری بھی بڑھتی گئی بار بار دعائیں اپنے رب اور زندگی و موت دونوں کے خالق سے

تھیں کہ اے اللہ یہ رحم کر غریب پردیسی ہے اپنے ماں باپ کا اکلوتا ہے، ساری رات دوسرے تیماردار گھر والے کہاں تک ساتھ دیتے ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے اب تنہا، دنیا کا مالک و مولا تھا اور اس کا یہ وفا شعار غلام اس سے راز و نیاز میں مصروف زاری کا بیان ہو کر پچھلے پہر میری آنکھ کھلی تو دیکھتا کیا ہوں کہ مولانا جانماز پر بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں اور اپنے کارساز اور خالق کے آگے مچل رہے ہیں سرگوشی کے لہجہ میں رات کے سناٹے میں دعا کے الفاظ کچھ اس طرح کے سنائی دیے۔

"مالک جو چاہو سو کرو قادر مطلق ہو جو چاہو کر ڈالو، قانون قدرت تمہارا اپنا بنا ہوا ہے جب چاہو اسے توڑ سکتے ہو اس غریب کے تو سرخرو کرنا یہ بچہ پردیسی ہے میرے بھروسہ پر آیا تھا ماں باپ کا کیا حال ہوگا ... خیر اگر یوں مجھ گنہگار کی دعا قبول نہیں کرتے تو میری نذر ہی قبول فرماؤ جان کے بدلے جان حاضر ہے ایک میرا اپنا بچہ ہے اسی کے عوض میں قبول فرماؤ وہ بھی تمہارا میں بھی تمہارا"!

اللہ یہ بھی سن لیجئے مولانا کے کئی بچے نہ تھے کئی بچوں کے گزر جانے کے بعد یہی ایک سات سال کی عمر کا زندہ تھا ماں باپ ہی نہیں گھر بھر کے لاڈ کا مرکز ___ ایک محض اجنبی کے خاطر نذر اس جگر کے ٹکڑے کی پیش ہو رہی تھی!

امتحان ابراہیم کا نہیں ایک ادنیٰ مومن کے ظرف و تحمل کا در پیش تھا اللہ اللہ!

سحر ہو رہی تھی کہ اچانک مکان کے اندر سے کنڈی کھٹکی معلوم ہوا کہ بچہ پر ہیضہ کا حملہ ہو گیا۔ مولانا اطمینان سے اٹھ کر اندر گئے۔ دو دو پہلی قلعی خاک نہ ہوا مولیٰ نے بندہ کی نذر قبول کر لی تھی۔ عبدیت کی کمان سے چھوٹا ہوا تیر نشانہ پر پہنچ چکا تھا ادھر وہ پردیسی اچھا ہوتا گیا ادھر یہ خاندانوں کا پالا پوسا بگڑتا گیا یہاں تک کہ مولانا اپنے ہاتھوں جا کر اپنے جگر گوشہ کو پیوند خاک کر آئے۔

کرنیں

محمد بشیر

- خاموشی اختیار کر کے دوسروں کی نگاہ میں احمق بننا، پھر خاموشی توڑ کر احمق کا ثبوت دینے سے بہتر ہے۔
- ہم میں سے اکثر خاموشی کے مفہوم کو سمجھتے ہیں لیکن اس سے بہت کم آگاہ ہیں کہ خاموشی کب اختیار کرنا چاہیئے۔
- میں دوست اچھی شکل و صورت کے واقف کار اچھے کردار کے اور دشمن بہتر عقل کے لئے منتخب کرتا ہوں۔
- جمہوریت کی سادہ تعریف لوگوں کے ڈنڈے کو لوگوں کے لئے لوگوں کی پیٹھ پر توڑنا ہے۔
- میری کاروباری مشاغل اتنے پریشان کن ہیں کہ بعض اوقات میں زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔ دوسرے لوگ مجھے اپنے سے کہیں بہتر نظر آتے ہیں۔
- نصیحت کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اسے سنو اور خوشی کر آگے بڑھا دو۔
- دوست کی ناکامی پر مغموم ہونا اتنا دشوار نہیں جتنا اس کی کامیابی پر مسرور ہونا مشکل ہے۔
- تنگ نظر وہ ہے جسے دو برائیوں میں سے ایک کو منتخب کرنا پڑے تو وہ دونوں کو اختیار کر لیتا ہے۔

محمد یونس

- درخت سب لگاتے ہیں لیکن ہر شخص کے نصیب میں یہ نہیں ہوتا کہ پھل بھی کھائے۔ پس نہایت مبارک ہے وہ ہاتھ جو تخم پاشی کے بعد ہی اپنے دامن میں اس پھل کو دیکھے۔
- انسان کی سب سے بڑی عقل مندی عبرت پذیری ہے مگر سب سے بڑی غفلت اور اغماض ہے۔
- ہم میں سے اکثر کے نزدیک حقیقی زندگی وہ ہے جسے ہم خود بسر نہیں کرتے۔

رشید احمد

- کاش ہمیں اس حقیقت کا پتہ چل جائے کہ دنیا میں سچی خوشی کا سرچشمہ صرف حسن سیرت ہے۔
- آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ مذہب اور اخلاق کی پابندی نہ کی جائے۔
- پیدائشی طور پر نہ کوئی بے قصور ہے اور نہ قصوروار، حالات ہی آدمی کو ان میں سے ایک بناتے ہیں۔
- شاعر وہ سپیرا ہے جس کی پٹاری میں سانپوں کی بجائے دل بند ہوتے ہیں۔

ایم رفیق

- جس شے کا وجود نہیں اسے ہم اتحاد سے پیدا نہیں کر سکتے۔
- ہر لمحہ انسان زندہ مر جاتا ہے۔ اور مر کر زندہ ہو جاتا ہے۔ یہ موت و پیدائش اس کے احساس و عمل کا محتاج ہے۔

ابرار

- اگر تم نے ہر حال میں خوش رہنے کا فن سیکھ لیا ہے تو یقین کرو۔ زندگی کا سب سے بڑا فن سیکھ لیا ہے۔
- محبت دل کے صحرا میں ایک سرسبز و شاداب قطعہ زمین ہے جہاں نفرت کے قافلے نہیں پہنچ سکتے۔
- مجھے اس انسان کی آزادی، بے فکری اور خوشی پر رشک آتا ہے۔ جو نہ زر رکھتا ہے اور نہ زمین۔
- محسن کا شکریہ ادا کرنا شکر گزار بندوں کا شیوہ ہے۔

افسانہ

احساس

شبیر محمد اختر

وہ لوگ جو حالات کی چکی میں پس کر بزدل ہو جاتے ہیں، منزل پانے کے باوجود تہی دامن رہتے ہیں اور زندہ رہنے کے باوجود موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں کہ زندگی بزدلی کا نام نہیں

شبیر محمد اختر کا خوبصورت افسانہ — بزدلوں کے لئے تازیانہ۔

سکینہ استانی سارے مدرسے میں حقارت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس کا سادہ لباس، سنجیدہ چہرہ، جھکی جھکی آنکھیں، اس کے ساتھ والی استانیوں کو نہ بھاتی تھیں۔ اسکول میں لباس کی نمائش ہوتی تھی مگر اس کا لباس معمولی دیسی کپڑے کا تھا۔ جتنی کوڑی لڑکیاں جب اپنی اس نئی استانی کو دیکھتیں، تو ناک بھوں چڑھا کر گزر جاتیں۔

"ذرا لباس دیکھو" ایک کہتی "مائی جیسی ہے، ایسا بھی نہیں"

"استانی ہے یا کڑوی دوا، جب دیکھو منہ بسورے نظر آتی ہے"

سکینہ بہت کوشش کرتی مگر اس کا چہرہ نہ کھلتا۔ وہ لباس پہننا چاہتی مگر اس کا دل نہ مانتا۔ نفیس لباس اسے کانٹے بن کر چبھتا۔ اس کے خیال ہی سے وہ کانپ اٹھتی لیکن اسکول کا ماحول اور تھا۔ نئی پود تہذیب کے دوراہے پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔ سماجی بندشیں ڈھیلی ہو گئی تھیں۔ مدتوں کے قیدی آزاد ہوا میں اڑنے کے نشے میں سرشار اپنے آپ کو بھول چکے تھے۔ عورت آزاد ہو کر مرد کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے بندھنوں سے آزاد کرنے میں سرگرم تھیں۔ باقی کمی کو پورا کرنے کے لئے اسکول کی چار دیواری ساری آزادیوں کو اپنے اندر چھپائے کھڑی تھی۔

ہیڈ مسٹریس کے نزدیک تعلیم کا آدرش یہی تھا کہ اس کے اسکول کی استانیاں لباس میں ایک نمونہ ہوں، تہذیب کا مجسمہ۔ وہ لڑکیوں کے لئے ایسی فضا پیدا کرنا چاہتی تھی جس میں نسب کردہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ سکیں۔

ہنستی ہوئی جوانی اور مسکراتا ہوا رنگین ماحول کب برداشت کر سکتا تھا کہ ان میں کوئی منہ بسورتا ہوا داخل ہو سکے۔

سکینہ کو عارضی طور پر اس اسکول میں جگہ مل گئی۔ اس کے پاس ڈگری تھی۔ وہ اپنی ڈگری کے بل بوتے پر یہاں لے لی گئی۔ ہیڈ مسٹریس کو کیا معلوم کہ اس ڈگری کی مالکہ سوز کی ایک تصویر ہو گی۔

اسٹاف روم میں بیٹھ کر جب دوسری استانیاں ہنسی مذاق میں مشغول ہوتیں تو سکینہ بے چاری خاموش ان کا منہ تکا کرتی۔ وہ چاہتی کہ وہ بھی ان میں شامل ہو کر محفل کی رونق بڑھائے مگر وہ چاہتی تھیں کہ وہ سکینہ کو "استانی آپا" کہیں۔ کوئی سوال پوچھیں، پھر وہ جواب دے، مسکرائے اور کسی لڑکی کی تعریف کرے، کسی کے لباس کو سراہے۔ پھر ان میں سے کوئی اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دے لیکن سب آرزوئیں دل ہی دل میں رہتیں۔

اسکول ہو یا باہر کی ملاقاتیں ہر جگہ اسکول کی استانیاں اور طالبات سکینہ کے قصے لے بیٹھتیں۔ اب یہ قصہ اسکول کی چار دیواری سے نکل کر گھروں میں جا پہنچا۔

"توبہ! وہ نصیبوں جلی" بوڑھیاں زندہ دل بن کر کہنے لگیں "استانی ہے یا کوئی رانڈ جس نے ہنسنے کی قسم کھائی ہے"

ایسی استانیاں نفسیاتی طور پر بچیوں کو پریشان رکھتی ہیں۔ نوجوان بھائیوں کی رائے تھی کیونکہ ان میں سے کسی نے آج تک سکینہ کو نہیں دیکھا تھا۔

ہیڈ مسٹریس سے جب بھی کبھی کوئی ملنے گئی تو اس نے سکینہ کا قصہ ضرور جا چھیڑا۔

ذکیہ کہتی تھی بات سے بات چل نکلی "نئی استانی کچھ مریل سی ہے"

"ہاں سنتی ہوں" ہیڈ مسٹریس چشمہ درست کرتے ہوئے کہتی "میں نے ترس کھا کر اس کی مدد کرنا چاہی مگر —"

"وہ رانڈ ہے؟" "بیٹیوں کو سہاگن دیکھنے والی مائیں پوچھ لیتیں۔

"میں اس کے حالات نہیں جانتی۔ عجیب مصیبت ہے"

"بڑی آپا" ہیڈ مسٹریس سب سے بڑی آپا تھی۔ "اسے نکال کیوں نہیں دیتیں"

"سوچ رہی ہوں"

"بڑی آپا! آپ نے کسی کا ٹھیکہ تھوڑا لے رکھا ہے"

جس اسکول کا یہ حال ہو وہاں سکینہ کیسے خوش ہو سکتی تھی؟ بیچاری کے لئے ایسے حال میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ ملبک بجنڈ پر اس کی عجیب و غریب تصویریں تیار کی جاتیں۔ کارٹون بنا کر لگا دیا جاتا۔ وہ سب کچھ دیکھتی مگر اف نہ کر سکتی۔ ایک بار اس نے ہیڈ مسٹریس سے شکایت کی مگر الٹا اسے ڈانٹ دیا گیا۔

اسٹاف روم میں اس نے ذکر کیا لیکن ہمدردی کرنے کے بجائے اس کی ہنسی اڑائی گئی۔ سارا اسٹاف خوش تھا کہ اسے یوں تنگ کیا جا رہا ہے۔ اس کے دل میں زخم تھے۔ ناسور تھے۔ سکینہ کے لبوں سے ہلکی سی آہ نکل جاتی۔ ساری محفل پر ایک پژمردگی چھا جاتی۔ وہ شرمندہ ہو کر وہاں سے کھسکنے لگتی وہ مجبور تھی… دنیا والے ہنستے کو چاہتے ہیں جب کوئی رونے لگے تو وہ بھاگ جاتے ہیں۔

کلاس روم میں شوخ لڑکیاں اپنی اس نئی استانی سے بے تکلف ہونا چاہتی تھیں مگر اجنبی اداسی ہوتی۔ وہ ہمیشہ کھوئی کھوئی سی رہتی۔ نگاہیں جھکی جھکی سی۔ اس کے سامنے کتاب ہوتی۔ وہ مشین کی طرح کام کرتی۔ سوالوں کا جواب دیتی لیکن دوسری استانیوں کی طرح اس نے کبھی کلاس کو ہنسایا نہیں۔ لڑکیاں بھلا کب تک برداشت کر سکتی تھیں کہ کلاس روم ماتم کدہ بنا رہے۔ اس کے پیریڈ ساری جماعت کے لئے دن کا بدترین حصہ تھے۔

سوز و ساز مل کر نغمہ پیدا کرتے ہیں۔ صرف سوز ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ اسٹاف روم، جماعتیں جہاں وہ داخل ہوتی اسے ان کمروں کے ذرے ذرے میں نفرت محسوس ہونے لگی۔ اس کی رفیقہ کار آنکھوں کے اشاروں اشاروں میں اس کی ہنسی اڑاتیں۔ اس پر چوٹیں ہوتیں۔ یہ باتیں ہوا میں پھیل گئیں۔ بات کی لاکھوں زبانیں ہوتی ہیں۔ سارا سکول اس سے نفرت کرنے لگا۔

یہ ساری نفرت محض اس لئے تھی کہ وہ ناخوش کیوں رہتی ہے۔ اس کے لب مسکراہٹ سے کیوں بے بہرہ ہیں۔ وہ کیوں اپنے آپ میں کھوئی کھوئی سی رہتی ہے۔ سماج کی بندشوں کو توڑنے کی درس گاہ میں ایک معلمہ یوں قید ہو۔ وہ جسے اپنی طالبات کو آزادی کے ڈگر پر چلانا تھا، صدیوں کی غلامی کی زنجیروں کو کمزور کرنا تھا۔ اسے ایسی حالت میں کبھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

یہ سب کچھ صحیح مگر سکینہ مجبور تھی۔ وہ اپنے ماحول سے متاثر نہ ہو سکی۔ اس کے ذہن کے بوجھ کا پہاڑ اتنا بوجھل تھا کہ اسے اسکول کی ہنستی ہوئی فضا اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکی۔ وہ ڈگری جس کی بنا پر اسے ملازمت مل گئی تھی اس کے حاصل کرنے کے لئے سکینہ نے اپنا شباب، ہنسی، مسکراہٹ بہت کچھ لٹا دیا۔ اس کا خیال خام نکلا۔ یہی ڈگری اس کے لئے نئی مصیبتوں کا ایک باب ثابت ہوئی۔

سکینہ کی آزمائشی مدت ملازمت ختم ہو رہی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ نفرت کا بے پناہ طوفان بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ لڑکیاں ایسا کر سکتی۔ قہقہہ اس کے حلق تک آتا مگر بکھر —۔ جانے کیوں وہ اس لئے نہ ہنستی کہ شاید زخم زیادہ کھل جائیں۔ اس کے دل میں درد ہوتا۔ وہ اسے چھپائے رکھتی لیکن اس کی خاموشی کو تکبر پر محمول کیا گیا۔ کلیجے میں ٹیس اٹھتی اس کا چہرہ متغیر ہو جاتا۔ یہ تغیر استانیوں کے نزدیک نخوت تھا۔

ان میں سے بعض کو اس سے ہمدردی پیدا ہوئی مگر یہ ہمدردی بالآخر نفرت سے بدل گئی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سکینہ نے کبھی انہیں اعتماد میں نہ لیا۔ مگر وہ ڈرتی تھی۔ کسی سے دل کا حال نہ کہہ سکتی۔ وہ کہنا چاہتی مگر زبان رک جاتی دل کا بوجھ اسے اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔

وہ درد کا مداوا لینے کے لئے مدرسہ میں آئی۔ اس کو یقین تھا کہ وہ اپنی زندگی، اپنی قوم کی بچیوں کے لئے وقف کر دے گی، یہی اس کی زندگی کا مقصد ہو گا۔ جو دکھ اس نے سماج کے ہاتھوں اٹھائے تھے وہ ان بچیوں کو ان دکھوں سے بچانے کی کوشش کرے گی۔ لیکن ہوا کیا، وہ جن کے لئے اس نے زندگی وقف کرنا چاہی تھی، اس کے دشمن آزار ہو گئیں۔ وہ ان میں درد کا علاج ڈھونڈنے آئی تھی۔ ان بچیوں نے مریض کو ایک تماشا جانا۔ وہ ہنسنا چاہتی تھی لیکن تماشا الٹا منظر بن گیا، سکینہ کا یہ انجام اس کی اپنی مصیبتوں میں اضافہ کر رہا تھا۔

"آپا! آپا!!"

یہ پکار لڑکیوں کو اور چمکا گئی۔ وہ سکینہ کی نقلیں اتارنے لگیں۔ غریب لڑکا ہرنی کی طرح بل کھاتی دوڑتی ہوئی کمرے کے اندر آ گئی، اس کے پیچھے لڑکیاں بھاگ رہی تھیں۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئی، سکینہ نے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

باہر لڑکیاں رک گئیں۔ وہ شیشوں میں سے دونوں کو اندر بند دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ ان کے نزدیک دو چڑیاں پنجرے میں پھنس گئی تھیں۔ وہ ان کو پھڑپھڑاتا دیکھنا چاہتی تھیں۔ مگر ہوا کیا سکینہ نے بڑھ کر ڈیسک سے بید نکالا اور لڑکی کو مارنا شروع کر دیا۔

لڑکی سراسیمہ ہو گئی۔ وہ داد کے لئے آئی تھی، وہ مظلوم تھی، غریب سکینہ کی امان میں آئی تھی لیکن استانی آپا نے اسے ہی مارنا شروع کر دیا۔ وہ حیران تھی، باہر کی لڑکیاں بھی خاموش ہو گئیں۔ انہیں بھی غریب لڑکی سے ہمدردی ہونے لگی۔ اس کو الٹی سزا دی جا رہی تھی۔

سکینہ استانی سے انہیں نفرت تو تھی ہی، اب پہلے سے اور زیادہ ہو گئی۔ وہ اب سکینہ کے خلاف آوازے کسنے لگیں۔

غریب لڑکی مار کھائے جا رہی تھی۔ کچھ تو حیرانی اور کچھ ہمدردی کی جگہ سزا کی مصیبت نے اسے گھبرا دیا۔ وہ مجسمۂ استعجاب بنی مار کھاتی رہی۔ سکینہ تھی کہ سزا دیے گئی۔ لڑکی درد سے بے حال، ماضی سے زیادہ مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔

اس کی بیچارگی مزید بڑھتی گئی۔ اس کی ملازمت کے دن ختم ہو رہے تھے، اور خاک مستقبل قریب آ رہا تھا۔ لڑکیوں کی شرارتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ سکینہ کی زبان بالکل بند ہو گئی۔ وہ کلاس روم میں یوں داخل ہوتی جیسے کوئی مجرم جیوری کے سامنے پیش ہو رہا ہو جن میں سے ہر ایک اشارے کر کے کہے "یہ مجرم" لڑکیاں اس کی نقلیں اتارتیں، منہ بناتیں مگر وہ کرسی پر بیٹھی برابر ان کو سبق پڑھائے جاتی۔ شور کا یہ عالم ہوتا کہ کئی بار ہیڈ مسٹریس کو خود آ کر چپ کرانا پڑا۔ لڑکیوں کو کبھی کچھ نہ کہا جاتا بلکہ الٹی سکینہ پر ڈانٹ پڑ جاتی۔

اسکول میں اس کا آخری دن تھا۔ وہ کھیل کے کمرے میں بیٹھی باہر میدان میں لڑکیوں کو کھیلتے دیکھ رہی تھی۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک غریب لڑکی کو دوسری لڑکیاں تنگ کر رہی ہیں۔ وہ اپنی جگہ پر بے کل ہو گئی۔ اس نے چاہا کہ وہ بھاگتی ہوئی جائے اور سب لڑکیوں کے بال نوچ لے لیکن وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ لڑکیوں نے اس لڑکی کو اتنا تنگ کیا کہ وہ بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ اس کا رونا دوسری طالبات کے لئے اور زیادہ دلچسپی کا موجب بنا۔ وہ جتنی زیادہ روتی وہ اتنا زیادہ تنگ کرتیں۔ قہقہے لگاتیں۔

یکایک اس لڑکی کی نگاہ سکینہ استانی پر پڑی وہ وہیں سے چلائی۔

لیکن استانی کا ہاتھ رکتا ہی نہ تھا۔ باہر لڑکیاں شور مچا رہی تھیں۔

عجب سماں تھا۔ ایک دو استانیاں بھی آ گئیں یہ تماشا بڑا عجیب تھا۔ یکایک لڑکی نے سکینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کاٹ کھایا۔ یہ ایک فوری جذبہ تھا۔ اس کے بعد لڑکی ڈر کر بھاگی۔ سکینہ نے بید پھینک دیا اور دوڑ کر لڑکی کو پکڑ کر گلے سے لگا لیا۔

وہ قہقہہ مار کر ہنسی۔ دیوانہ وار۔

سارا مجمع ساکن۔

ڈرامے میں ایک سسپنس پیدا ہو گیا۔ نقطۂ عروج پر پہنچ کر پلاٹ بالکل بدل گیا۔

سکینہ نے دروازہ کھول دیا۔ لڑکی اس کے پہلو میں تھی۔ وہ ایک یونانی مجسمے کی طرح کھڑی تھی۔ لڑکیوں نے خود بخود راستہ چھوڑ دیا۔ وہ جا رہی تھی۔ اپنی سلطنت کو چھوڑ کر جب وہ استانیوں کے پاس پہنچی، وہ رکی۔

"بہنا — " اس نے ایک کو مخاطب کیا "میں کامیاب ہو کر جا رہی ہوں — میں اس غریب بچی کی طرح مار کھا کر چپ رہتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی میں زندگی میں ناکام ہوں — تم مجھے حقارت سے دیکھتی ہو۔ یہ میری چھوٹی بہنیں — میری بچیاں — میری امیدوں اور تمناؤں کے مرکز مجھے حقیر سمجھتی ہیں — بڑی آپا مجھے لڑکیوں کے لئے مضر خیال کرتی ہیں۔ کیوں — کیوں؟ صرف اس لئے کہ میں نے زندگی بھر دکھ سہا، منہ سے اف نہ کی۔ یہ میری عادت بن گئی ہے۔"

"آج میں نے ایک اور لڑکی کو اسی راستے پر چلتے دیکھا — وہی راستہ، وہی ہلاکت کا راستہ — موت کا راستہ، حقارت کا راستہ — میں کانپ گئی — ایک زندگی — ایک اور زندگی تباہ و برباد ہونے والی تھی؟

وہ میری طرف آئی۔ مجھ سے مدد مانگنے۔ میں اس کی مدد کر سکتی تھی؟ یہ میری بچیاں مجھے تنگ کرنے سے باز آتیں — میں اس کی امداد نہ کر سکی — علاج کر دیا۔ میں نے اس کے جسم کو سزا دی — جسم کو ایذا پہنچائی — وہ سہتی رہی — آخر — آخر میں کامیاب ہو گئی — جسم کی تکلیف سے روح بیدار ہوئی — روح کا جوہر غیرت ہے — رد عمل ہوا — اس نے میرا ہاتھ کھا لیا۔ میں خوش تھی — اس نے میرے ہاتھ میں کاٹ کھایا — میں خوشی سے دیوانی ہو گئی، میری بہن موت کے منہ سے بچ گئی — اسے زندہ رہنا تھا — غیرت زندگی ہے اور — "

آج وہ پہلی بار دل کا زخم دکھلانے پر مجبور ہوئی تھی — آنکھوں نے غمازی کی — اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

بشیر ساربان

سابق امریکی صدر لنڈن بی جانسن کا ذاتی دوست

غربت کی زندگی بسر کر رہا ہے

عبدالغفور جاوید

یہ آج سے بائیس سال پہلے کی بات ہے کہ پاکستان کا ایک معمولی بشیر ساربان دیکھتے دیکھتے عالمی خبروں کا موضوع بن گیا۔ بشیر ساربان کا قصہ الف لیلیٰ کی اس داستان سے

بشیر ساربان

کچھ مختلف نہ تھا۔ جس میں خلیفہ ہارون الرشید ایک نوجوان کو رات بھر کے لئے خلیفہ بنا دیتا ہے۔ سو بشیر ساربان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ وہ اونٹ گاڑی چلانے والا ایک عام آدمی تھا۔ ساربان کا لفظ اس کے پیشے کی مناسبت سے اس کے نام کا جزو بن گیا ہے۔ مگر نئے چل کر یہی لفظ اس کی عزت و شہرت کا باعث بن گیا۔ آج بھی پاکستان میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ جن کے کان بشیر ساربان کے نام سے آشنا

اس سے وابستہ محیرالعقول واقعے سے نا آشنا ہوں۔

بشیر ساربان کا قصہ کچھ یوں ہے کہ اکتوبر ۱۹۶۱ء کی ایک صبح امریکہ کے اس وقت کے نائب صدر لنڈن بی جانسن جو بعد میں امریکہ کے صدر بھی بنے۔ پاکستان کا دورہ کر رہے تھے جب ان کی کار، کارساز کے قریب سے گزر رہی تھی تو نائب صدر جانسن نے دیکھا کہ ایک اونٹ گاڑی کو پولیس والے سڑک پر آنے سے روک رہے ہیں۔ اس بوکھلاہٹ میں اونٹ گاڑی والا اپنے سامان کے گاڑی پر سے گر پڑا یہ دیکھ کر صدر جانسن نے اپنی کار رکوائی اور اتر کر اونٹ گاڑی والے کے پاس پہنچے اور اس کی خیریت دریافت کی یہ سال صدر کا معاملہ تھا۔ چنانچہ پاکستان پولیس والے اپنے روایتی طریق کار پر عمل نہ کر سکے اور انہوں نے فوری طور پر ایک ترجمان کی خدمات بھی حاصل کر لیں۔ جس کی مدد سے صدر جانسن اور اونٹ گاڑی والے بشیر احمد کی گفتگو آگے بڑھی۔ رسمی گفتگو کے بعد صدر جانسن نے بشیر ساربان سے دریافت کیا کہ آیا اسے امریکہ کے دورے سے کوئی دلچسپی ہے؟ اس پر پہلے تو بشیر ساربان گھبرایا۔ پھر اس نے اسی گھبراہٹ میں اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

دوسرے ہی دن پاکستانی اخبارات میں نائب صدر جانسن کے دورے کی خبریں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھیں وہیں بشیر احمد اونٹ گاڑی والے کے ساتھ ان کی ملاقات کی خبریں بھی عوام کی دلچسپی کا باعث بنی ہوئی تھیں لیکن تھا کہ لوگ چند روز بعد اس واقعہ کو فراموش کر بیٹھتے لیکن بہت جلد یہ واقعہ پھر اخبارات کی زینت بن گیا کیونکہ امریکہ کے نائب صدر نے اپنے ذاتی مہمان کی حیثیت سے امریکہ آنے کی دعوت دی تھی۔ بشیر ساربان کے لئے یہ کسی معجزہ سے کم نہ تھا وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ امریکہ کے نائب صدر کی دعوت پر وہ

ان کے ملک کا دورہ کرے گا اور پھر ایک دن وہ پان امریکن ایئرویز سے ایک ہفتے کے لئے امریکہ روانہ ہو گیا۔ اس کو خوش آمدید کہنے کے لئے نیویارک ایئرپورٹ پر ایک استقبالیہ پارٹی تشکیل دی گئی۔ اور جب بشیر ساربان ایئرپورٹ سے باہر آیا تو استقبال کرنے والوں نے ان سے اس بات کی معذرت طلب کی کہ وہاں سردی زیادہ ہے۔ جس کے جواب میں بشیر ساربان نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ لوگوں کے دلوں کی گرمجوشی سے مجھے سردی کا احساس نہیں ہوا۔

بشیر ساربان جہاں بھی گئے ان کا بڑا گرمجوشی سے استقبال کیا گیا اور غالباً وہ پہلے پاکستانی ہیں جنہیں امریکہ کی تین ریاستوں کی کنجیاں پیش کی گئیں۔ اپنے دورے میں وہ جانسن کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے امریکی صدر کینیڈی سے وائٹ ہاؤس میں ملے اور سابق صدر ٹرومین سے بھی ملاقات کی۔ سینیٹ کا دورہ کیا، اور میسی کے ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے خریداری کی اس سے بڑھ کر یہ کہ جانسن کے ساتھ ٹیکساس کا تفصیلی دورہ بھی کیا۔

جب بشیر ساربان امریکہ سے واپس آئے تو بیشمار تحفوں اور فورڈ کمپنی کی طرف سے ایک پک اپ بھی ان کے ساتھ موجود تھا۔

میرے بہت سے دوست تمہارے بارے میں لکھتے ہیں اور خیریت دریافت کرتے ہیں۔ تمہارا وہ مجسمہ اب بھی میرے آفس میں موجود ہے۔ جو کیلی فورنیا کے آرٹسٹ نے بنایا تھا۔

مسز کینیڈی یہ خط بشیر ساربان کے حوالے کرنے کے لئے ذاتی طور پر ایوان صدر کراچی آئیں۔ بعد ازاں امریکہ کی خاتون اول نے بشیر کو اس کے اونٹ کے ساتھ ملاقات کی پیشکش کی اور جب بشیر ساربان اونٹ لے آئے تو انہوں نے ہاتھ ملایا اور بشیر ساربان کے اونٹ پر بیٹھ کر اپنی تصاویر

جیسے امریکی عوام کی کوئی بیاسی پر سوار رہے ہوں۔

جب بشیر ساربان واپس آئے تو کراچی سٹی ریلوے اسٹیشن کے پیچھے مزدوروں کی کالونی میں بشیر احمد کا خاندان ان کا منتظر تھا لیکن اس بار اسے مزدوروں کی کالونی کا مکان اور میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے بچے بہت عجیب لگے۔ اس نے سوچا کہ وہ اب ایسا کبھی نہیں رہے گا۔ اور بہت جلد امیر آدمی بن جائے گا۔ اس نے اونٹ گاڑی چلانا چھوڑ دی، جب کہ ابھی تک اسے پک اپ چلانا نہیں آتی تھی۔ اخباری نمائندے اور فوٹو گرافر مسلسل اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور اس کے افلاس کے دنوں اور مستقبل کے بارے میں اس کا انٹرویو لے رہے تھے۔ بشیر ساربان اس صورت حال سے پریشان تھا کیونکہ بار بار اسے اپنے امریکہ کے دورے کے بارے میں اور اپنے بارے میں نہ صرف دوستوں اور پڑوسیوں کو بتانا پڑتا تھا۔ بلکہ اخباری نمائندوں کو بھی ایک ہی کہانی کئی بار سنانا پڑتی تھی اگر وہ کہیں

اس واقعہ سے بشیر احمد کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا تھا

چائے پینے جاتا تو لوگ اسے گھیر لیتے اور بڑی دلچسپی سے اس کے تجربات سنتے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ پر مگر لنڈن بی جانسن نے ابھی تک بشیر ساربان کو فراموش نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ۱۹۶۲ء میں جب جیکولین کینیڈی پاکستان کے مختصر دورے پر آئیں۔ تو جانسن نے ان کے ذریعہ بشیر ساربان کو ایک ذاتی خط لکھا۔ پیارے بشیر جس وقت مسز کینیڈی یہ خط تمہارے حوالے کر رہی ہوں گی تو اس خط کے ذریعے تمہیں اور تمہاری فیملی کو میری نیک تمنائیں پہنچ رہی ہوں گی، ہم آپس میں اخبارات کے ذریعہ ایک دوسرے سے باخبر ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ تمہارا کاروبار پھیل رہا ہے اور تمہارا خاندان خوشحال ہے۔ لوگ تمہیں امریکہ سے گئے ہوئے چار ماہ گزر گئے ہیں لیکن جذبات اور خلوص جس کا اظہار تم نے میرے ساتھ ٹیکساس سے نیویارک جاتے ہوئے طیارے میں کیا تھا۔ ابھی تک میرے دل میں ہے۔

تھے وہ سب ختم ہو گئے۔ بشیر احمد کی مسلسل علالت نے اسے اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ کوئی مشقت کر سکے اب وہی بشیر ساربان جس سے متعلق خبریں اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھیں اور دنیا بھر کے اخبارات و جرائد نے اس کے انٹرویو شائع کئے تھے۔ آج کل اپنے مکان میں کسمپرسی کے عالم میں گزرے دنوں کو یاد کر رہا ہے اور اپنی قسمت کو دوش دے رہا ہے کہ جتنی تیزی سے اس کی قسمت اسے شہرت کی بلندیوں پر لے گئی تھی اتنی ہی تیزی سے اسے غربت کے غار میں دھکیل دیا۔

بشیر ساربان مسز کینیڈی سے ملاقات کرنے کیلئے اونٹ سمیت ایوان صدر پہنچا

اتروائیں۔ بعد میں جیکولین کینیڈی کی جس نے بشیر کو تحفے میں قالین دیتے ہوئے کہا جب آپ امریکہ آئے تھے تو میں وہاں موجود نہیں تھی لہذا میری طرف سے یہ تحفہ قبول کیجئے۔ اس واقعہ نے بشیر احمد کی زندگی میں ایک اور نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ تین سال تک بشیر ساربان کی پک اپ کراچی سے ٹھٹھہ اور ٹھٹھہ سے کراچی تک سامان لانے اور لے جانے کے لئے استعمال ہوتی رہی۔ لیکن جب پک اپ کا ڈرائیور بشیر ساربان کی پک اپ کو ایک بڑے حادثے سے دوچار کر کے فرار ہو گیا۔ تو بشیر ساربان کو ایک بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اس کی ساری جمع پونجی خرچ ہو گئی تھوڑے ہی عرصہ بعد بشیر ساربان کا کاروبار ٹھپ ہو گیا اور اس کے خاندان کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ بشیر ساربان کی پک اپ بالکل ناکارہ ہو گئی۔ بشیر کی مالی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی اور پانچ سال کے اندر اندر وہ ہر چیز ختم کر بیٹھا۔ اس کے پاس اونٹ رہا نہ گاڑی ہی رہی اور اس کے وہ تحائف جو امریکہ سے واپسی آتے ہوئے جانسن نے دیئے تھے۔ امریکی اخبارات نے ان کے اس دورہ کو ایک کامیاب دورہ قرار دیا۔ واشنگٹن پوسٹ نے لکھا یوں لکھا ہے

مشرق و مغرب کا ملاپ

جب مریض سوتے میں چیخ مارتا ہے

آسیب کا سایہ ایک کربناک بیماری ہے

آسیب کے سائے کی بیماری پاکستان میں عام ہے۔ پڑھے لکھے آسیب کے سائے کا نام سن کر طنزیہ ہنسی ہنستے ہیں۔ ماڈرن تہذیب کے شکار لوگ اسے ہسٹریا، مالیخولیا وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان جب دور دراز کی بستیوں میں کسی حال کو کسی مریض پر سے آسیب اتارتے دیکھتے ہیں تو فراڈ تصور کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ جن، پری، بھوت آسیب کا سایہ انسانی کربناک اور پیچھا نہ چھوڑنے والی تکلیف ہے۔ پاکستان میں جتنی یہ مرض عام ہے۔ اتنے ہی اس کے معالج بھی ہیں۔ مگر ان میں فی الحقیقت علاج کی تہ تک پہنچنے والا ایسا ایک آدھ ہی ہوتا ہے۔ ورنہ اکثر لوگ محض کمائیں ہتھانے بیٹھے ہیں اور ان لوگوں نے اس مرض کو بدنام کیا ہے۔ سائے کے شکار کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر دم گم سم ڈرتا رہتا ہے۔ آنکھیں سرخ سرخ پیاس معدوم نیند آرام نہ ازدوہ ماں باپ، بہن بھائی کسی کی بھی بات نہیں مانتا۔ نہ ہی اسے اچھے برے کی کوئی تمیز رہتی ہے۔ ایسے مریضوں کو گاہے سخت دورے پڑتے ہیں۔ جن کے شروع ہونے سے پہلے مریض کی حالت بگڑنے لگتی ہے۔ کھلا ہے جی متلاتا اور پیٹ میں گولا سا بل کھاتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جمائیاں، انگڑائیاں کثرت سے آتی ہیں۔ دل بیماری دل کی حرکت تیز اور سانس مشکل سے آتا ہے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سر میں چکر سا محسوس ہوتا ہے۔ مریض بدحواس ہو کر ہاتھ پیر مارتا ہے اور بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اسے اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ بے ہوشی چار چار گھنٹے رہتی ہے۔

گاہے مریض سوتے ہوئے چیخ مار کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ اور بہت دیر تک اس قابل نہیں ہوتا کہ گھر والوں کو نظر آنے والے آسیب یا سائے کی تفصیل بتا سکے کبھی اسے مرے ہوئے رشتہ دار قریب آتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جن سے ڈر کر اسے بخار چڑھ جاتا ہے کبھی اس کی آنکھیں وحشت ناک انداز میں باہر نکل آتی ہیں۔ وہ وحشی انداز میں رہتا ہے کہ کوئی بھی اسے سنبھالنے کی ہمت نہیں کر سکتا ہے۔ دورے کے دوران مریض ہیجانی ... کر پھانسنے

طاری ہو جاتا ہے۔ اس کے دماغ کے اندر وریدوں کا انتشار بجوم ہوتا ہے جس کے دباؤ کے تحت دماغ کسی قسم کا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اور خلیوں کے اندر کی دیواریں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں۔ ایسا آدمی پرانے واقعات یاد بھی کرے تو یاد نہیں آتے بار بار دورے پڑ کر مریض بالآخر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ جاتا ہے موت تو مقررہ وقت پر ہی آتی ہے۔ مگر سائے کا مریض تب تک لاچار رہتا ہے لہذا اس مرض کا جتنا جلد علاج ممکن ہو کرایا جائے۔

۱۔ مریض کا بدن صاف ستھرا اور خوشبودار رکھا جائے۔

۲۔ صبح شام اگر سورۃ یٰسین پابندی سے پڑھی جائے تو سائے باقی نہیں رہتے۔

۳۔ مشہور نگینہ عنبر پہننے والا کبھی بھی آسیب کے سائے کا شکار نہیں ہوتا۔

کرتے ہوئے دم گھٹنا انتہائی خطرناک اور مشکل سے پیچھا چھوڑنے والی بیماری ہے عموماً یہ بچوں کو ہوا کرتی ہے۔ مگر ... بڑے بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ اس مرض کے دورے وقفے وقفے سے رات کو پڑتے ہیں۔ بستر پر لیٹنے کے بعد جب مریض کی آنکھیں نیند سے بند ہونے لگتی ہیں۔ اچانک یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی طاقتور شخص اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا ہے اور پوری زور سے اس کا گلا دبا رہا ہے۔ یہاں دیکھی گرفت اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ مریض اپنے آپ کو اس گرفت سے چھڑانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ مگر وہ مضبوطی سے جکڑا ہوا ہے۔ مریض چیخنا چاہتا ہے مگر اس کی آواز حلق سے نہیں نکلتی۔ نہ ہی ہاتھ پیر ہلا سکتے ہیں۔ آہستہ آہستہ خود ہی گرفت کا زور کم ہونے لگتا ہے۔ اور مریض خود کو آزاد محسوس کرتا ہے۔ مگر مریض کی طبیعت بہت نڈھال ہوتی ہے اور کئی گھنٹوں تک اس کے ذہن پر بوجھ طاری رہتا ہے اعصاب شدید متاثر ہوتے ہیں

نسخہ: اسطوخودوس، افتیمون، ہلیلہ سیاہ چھ چھ ماشہ لے کر ان کا نقوع شربت افتیموں میں ملا کر پلائیں۔ ریحی کو قبض نہ ہونے دیں۔ نیز ثقیل اور بادی چیزوں سے پرہیز کرائیں اور گوشت سے اجتناب لازمی ہے۔

"اپنے وطن سے محبت نہ کرنے والا اس مردے کی مانند ہے جس کی لاش پر کوئی دو آنسو بھی نہیں بہاتا"

(ڈاکٹر اسمائلز)

VISIT US FOR best quality

INDIAN GROCERIES,
FRESH VEGETABLES,
NUTS, SPICES ETC.

گروسری، تازہ سبزیاں اور مصالحہ جات
نہایت ہی سستے داموں پر خریدنے کیلئے
ہمارے ہاں تشریف لائیں

Pirri's Dixieland Market Limited
FRESH FLAVOURS — VEGETABLES — FLOWERS

1108 PHARMACY AVE. (AT LAWRENCE)
PHONE: 759-0473
OR
1052 BIRCHMOUNT RD. SCARBOROUGH.
PHONE: 759-5214

WM
530 ST. CLAIR W.
TORONTO 656-2560

PRINT STUDIO

Computerised Photo Typsetting

LAYOUT

DESIGN

We make: Flyers
Brosures
Newspapers
Books
Catalog
News letters

We design: Letter head - logo
Poster
Record covers
Book covers
Menues
Wedding Invitation
and Speciality Cards

We heve: Photographers
Graphic artist

Call Information: 656-2560

تازہ پھل، تازہ سبزیاں، خشک میوہ جات

اور

تازہ مچھلیاں

دالیں، چاول اور انٹرنیشنل گراسری کیلئے اسکاربرو

کی صاف ستھری دکان جہاں قیمتوں میں واضح فرق نظر آئے گا

مفت پارکنگ

کیلسن لمیٹڈ

KEALSON LTD.
2501 Eglinton Ave. E., Scarborough

261-2297

ڈرائیونگ سیکھنے کیلئے اپنے لوگ
اور اپنی زبان کا سہارا لیجئے۔

ڈرائیونگ کے اسباق انگریزی، اردو
ہندی اور پنجابی میں بھی لئے جا سکتے ہیں۔
ہمیں آج ہی فون کیجئے۔

ACADEMY OF DEFENSIVE DRIVING

6, GLEN WATFORD DR
AGINCOURT ONT.

Ph. 293-0786

chickens

lb. .16

٭ اس قیمت پر چکن نہیں بیچے اور نہ بیچ سکتے ہیں لیکن

کم منافع لینا ہماری پالیسی ہے

HOUSE OF HALAL MEAT

803 Danforth Avenue
Toronto, Ontario

Please Call ISMAIL At 461 2839

پندرہ روزہ پیغام صبح (صفحہ ۶)

Pakistani novelist lectures in USA

Babsy Sidhwa, the novelist is in town these days and it was interesting to learn that her latest book "The Bride" was selected as one of 40 titles given special promotion for the First International Feminist Book Fair held at Convert Garden, London last June.

She has received appreciative reviews on her first novel "The Crow Eaters" (Fontana) paper back and also for "The Bride" in paper back (Furtura) that has arrived in Pakistan. Babsy has the distinction of being the only Pakistani novelist to be published in England and one of perhaps two in U.S.A. It is said that it is very difficult for a Pakistani's novel to be published in both countries.

Reproduced here are excerpts of review of "The Crow Eaters".

"Sidhwa's first novel is a riotous mix banyard humour and a loving portrayal of the Parsi–This is a notable debut leaving one with the hope that Sidhwa will provide many more such entertainments."–Publishers Weekly U.S.A.

"This first novel is a funny, exotic, bawdy, ingenious, always entertaining, full of surprises–the author, a Pakistani home maker and mother of three, writes so vitally that her hero virtually seems to brush off the pages"–People U.S.A.

The critical acclaim of "The Bride" is:

"With Sidwa's keen awareness of breath - stopping scenery, of complex societies of the Muslim women's peculiar strengths and acute vulnerabilities; a delicate tale of power and intelligence, never-bearing in its message delivery."–Kirkus Reviews U.S.A.

"Sidhwa, a Pakistani writes dramatically of marriage, loyally, honour and their conflict with old ways on this well-told tale."–PUBLISHERS WEEKLY U.S.A.

Babsy seemed relaxed and happy to be back in her hometown. She lives in an apartment in Housten and seems well settled in the mainstream of its community. I made same queries on her life style there.

Q. You have been spending a great deal of your time in U.S.A. Why?

A. As a writer I feel my life more fulfilled. I have more opportunities to get into the world of literature particularly since I write in English. I have the privilege to attend various courses such as contemporary American drama, Latin American writing, etc. which I find very fascinating. It has opened a new world to me.

Q. How does it affect you as a novelist?

A. I am getting aware of works–so many authors whose existence I was not aware, and am exposed to different styles of writing.

Q. Do you feel your experience would affect your writing style?

A. The food for a writer is reading, and what is subconsciously absorbed comes up at an opportune moment. This does affect the style as regards choice of words and is better able to express things. When I am writing, I find myself reading six to eight hours a day. In good reading, words feed the mind, which are used.

Q. Has the American experience been a source of inspiration in your writings.

A. It is a stimulating atmosphere, for creative writing. But the source of material will be for a long time derived from Pakistan. I live in the U.S.A. because I find it fulfilling as a creative writer. For instance, when I go back I will teaching at University of St. Thomas, Housten. From January, I shall lecture at Price.

Q. What will you be teaching there.

A. My first experience at the University of Housten was a three weeks ago, where I was asked to talk on "Character Development in the Novel to Short story." I shall be talking on aspects of creative writing.

Q. How were you qualified to teach at the University?

A. It is not possible to teach in any of these universities without a doctorate or P.Hd. But the only exception is made for a published author and as such this distinction qualifies me to teach. Publishing is an extremely competitive field. In countries like Britain and U.S.A. where local writers stand a much better chance of their works being published than those of foreigners. It was a bit of a miracle that my books "The Crow Eaters" and "The Bride." that Jonethan Cape, England and St. Martins' in U.S.A. had accepted for these publication. The head of department of creative writers at university of Housten, Philip Lopata, who is also a writer, offered me lectureship. (Incidentally, University of Housten has one of the most important writing centres in U.S.A.) But I had reservations as felt I was not qualified to teach. Subsequently, I have developed confidence and I know I can contribute something useful

and original to a centre of creative writing. So I will be lecturing a three-hourly course once a week. This would be my first teaching experience and I am sure it would qualify me for better positions such as a resident writer attached to a University.

Q. What are your other literary pursuits?

A. I have been reviewing books for "The Housten Chronicle" and evaluating novels for writers conference's. People who attend the writers conference, are budding writers from all walks of life and all ages representing different level of social strata. From busiest tycoons to housewives, young aspiring writers to professors.

Q. What are you working on these days?

A. I am writing my third novel whose setting is in Lahore. As a writer, one is attracted to the dramatic, and the partition of Indian Sub-Continent is perhaps traumatic incident in my life and which I have depicted in the book. It is not about partition as such as much as the emphasis on the how the forces that led to partition, affected individual lives. No, I have not thought of a title, she answered a query.

Q. How do you find the time to write your novel?

A. A well. It takes a while to know your place in a completely different community and as there are too many claims on my time. When I get into a routine then I shall get on my writing at a quicker pace. I have just begun it.

Q. Life in Housten? Was it difficult to get adjusted there?

A. Because I am a writer, my creditionals are accepted in all sections of the society, and I find it much easier to get around places and groups of people which another person particularly a foreigner.

Q. How many Pakistani writers are teaching creative fiction in American Universities?

A. To my knowledge there is one other, Mr. Zulfiqar Ghosh and myself. I do not know of any other Pakistani novelist whose works has been published in the U.S.A.

Mrs. Babsy Sidhwa will be leaving Lahore to take her new assignment as a lecturer at the University of Housten in a couple of weeks time.

Aurevoir Babsy: And best of luck for your third book.

Muslims must end mutual rifts—Fahd

King Fahd of Saudi Arabia appealed for peace among the Islamic nations.

Speaking at his reception for Muslim delegates, the King said Lebanon, Iran and Iraq the Syrian Golan and Afghanistan were all victims of hostilities due to Muslims quarrelling.

"The sons of the Islamic nation have long been at war with one another," he declared. "War has taken a heavy toll and casualties are in the hundreds of thousands, and all the victims are our brothers in Islam.

"From this sacred place, let us all convey to the belligerents among our brothers a sincere and pressing appeal requesting them to call a halt to all hostilities, abandon quarrels and be guided by reason."

IF YOU DON'T REMEMBER YOU MAY NEVER FORGET.

There are some very good reasons to stop for stationary school buses. Such as the penalties for not stopping, which could include six demerit points, fines up to $1,000 and even imprisonment.

And this year, there's something new to watch for. Chrome yellow school buses can be used for passengers under 18 to or from any event–day or night. Drivers will activate their flashing red lights and stop arms when their passengers get on or off the bus.

But the most important reason of all is simply this: Your mistake could cost a child's life. And that kind of mistake is never forgotten.

So remember, drivers going in both directions must stop for a school bus with its red lights flashing and stop arm extended.

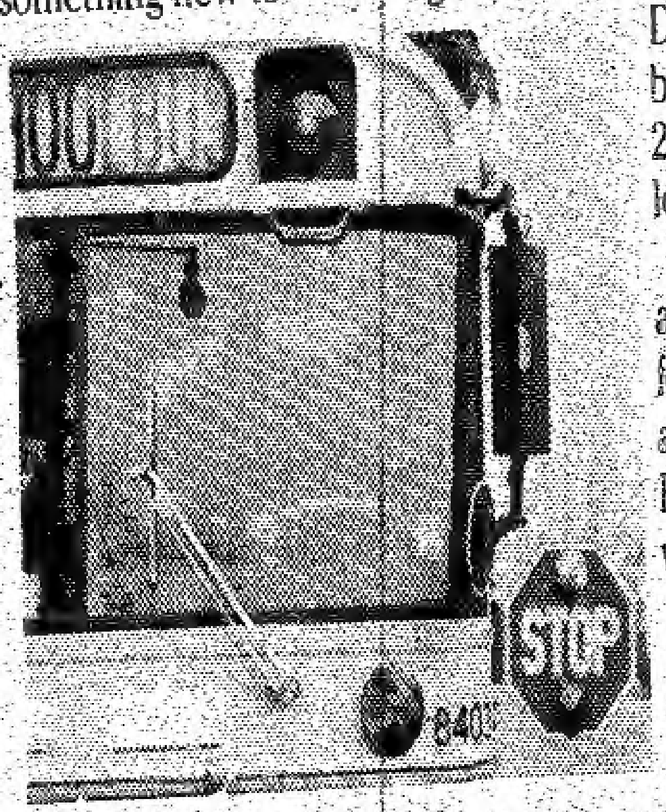

Drivers approaching from behind must stop at least 20 metres (about six car lengths) behind the bus.

So be extra careful at all times. Keep an eye out for flashing lights and stop arms on school buses. Please, don't take a chance with the life of a child!

CAN YOU AFFORD TO FORGET?

Ministry of Transportation and Communications

Ontario

James Snow, Minister
William Davis, Premier

Publisher & Editor
SOHAIL AKHTAR
TEL. (416) 283-7255

پیغامبر

The Messenger

FORTNIGHTLY INDO-PAK NEWSPAPER

100 CARONIA SQUARE, SCARBOROUGH,
ONTARIO CANADA M1B 2Z5

You are the best community evolved
for mankind.
You enjoin right, forbid wrongdoing,
and
believe
in Allah.

(Al 'Imran: 3,110)

SEPT: 21, 1984

BRAND NEW DAY FOR WONDERFUL CANADA

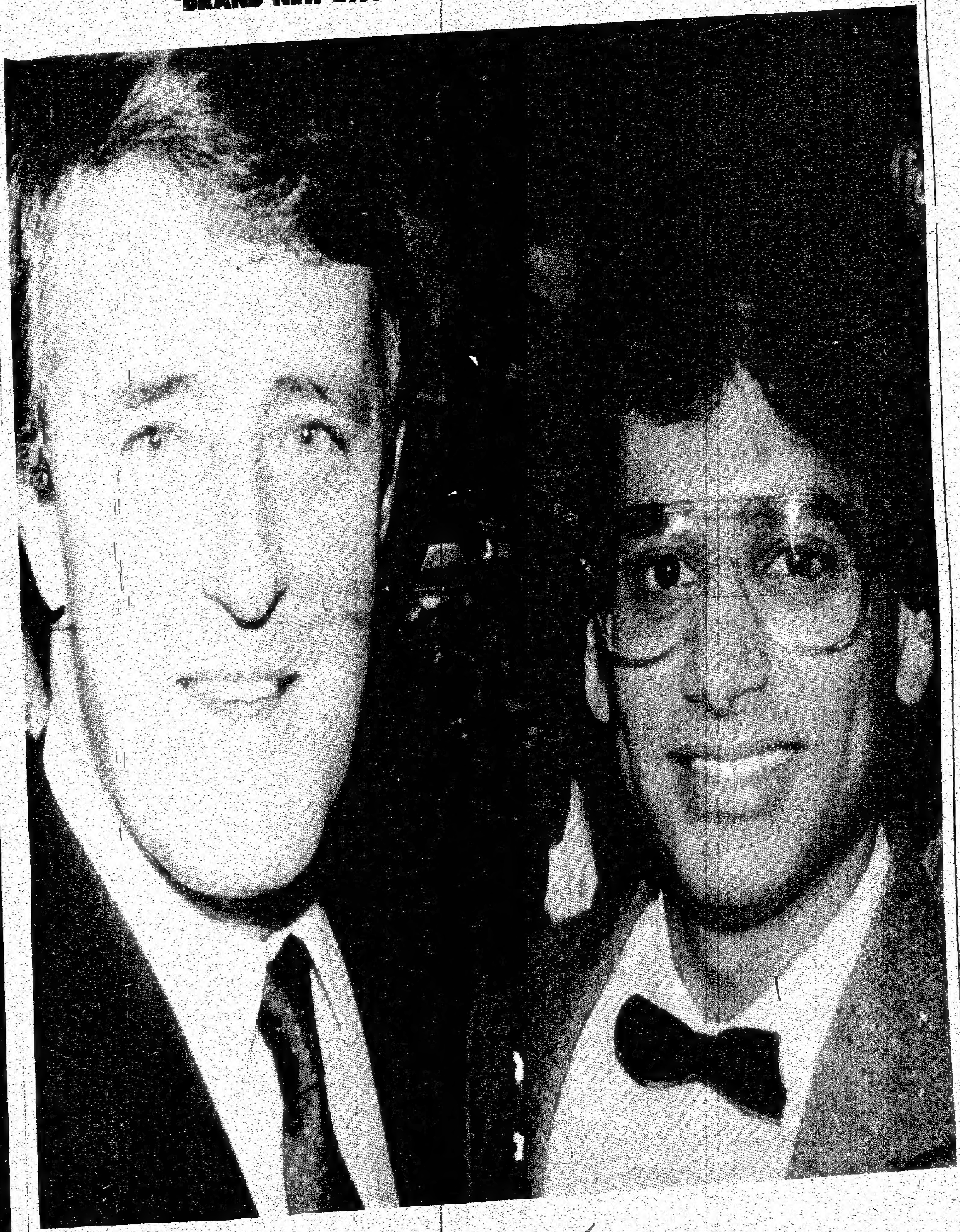

پیغامبر کے حسین اختر، کینیڈا کے نئے وزیراعظم برائن ملرونی کے ساتھ

۱۷ ستمبر کو برائن ملرونی نے وزیراعظم کینیڈا کا عہدہ سنبھال لیا۔ لبرل پارٹی کو کینیڈین عوام نے خداحافظ کہہ دیا۔ انتخاب کے دوسرے دن برائن ملرونی کی شاندار کامیابی کے سلسلہ میں ایک پاکستانی کے گھر شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بڑے لوگ تو سیاسی باتوں میں مشغول تھے البتہ چھوٹے بچوں کی ایک جماعت اچھل اچھل گانے کی طرز پر یہ بول دہرا رہی تھی "بھٹو آگیا میدان میں ہو جمالو!"